اقتدار کا سربراہ ہوتا ہے۔ لیکن حزبِ اقتدار کا کوئی شخص نہ تو اُس سے اختلاف رائے کر سکتا ہے اور نہ ہی اُس کی مرضی کے خلاف دم مار سکتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں وزیرِ اعظم ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے وہ اکثر قانون پہلے نافذ کرتا ہے اور پارلیمنٹ سے منظوری میں لیتا ہے۔ اور اسکی پارٹی کے افراد یعنی ممبرانِ حزبِ اقتدار اس کی منظوری دینے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں وزیرِ اعظم بھٹو نے قریباً سات سال حکومت کی۔ اس سات سال کے عرصہ میں اس کی کسی غلط بات سے اُس کی پارٹی کے اراکین پارلیمنٹ نے اُس سے اختلاف نہیں کیا۔ اور اگر کسی نے ہمتِ مردانہ سے اختلاف کی جرأت کر لی تو پھر وزیرِ اعظم بھٹو نے اس کا جو حشر کیا اُس کی داستانِ ظلم بڑی طویل ہے اور دلائی کیمپ اور جیل کی کال کوٹھڑیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ دُوسری طرف حزبِ اختلاف کے اراکینِ اسمبلی کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسکی گواہی بھی اخبارات کے صفحات میں موجود ہے کہ اس سات سالہ دورِ حکومت میں حزبِ اختلاف کا پورے ملک میں کوئی جلسہ نہیں ہونے دیا گیا اور دستور و آئین کی منظوری کے وقت حزبِ اختلاف کے اراکین کو M.P.S. کے ذریعہ کس طرح ٹانگوں سے پکڑ کر باہر پھینکا گیا۔ اور میاں طفیل محمد اور ملک قاسم کے ساتھ جیلوں میں جو کچھ کیا گیا اس کو اگر وہ آج کسی سیاسی مصلحت سے فراموش کر دیں تو الگ بات ہے۔ تاریخ کے اوراق تو اس داستانِ ظلم کو اپنے سینے سے محو نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے ملک کی جمہوریت کا حال ہے۔ یہ ڈکٹیٹر شپ نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوریت عوام کی حکومت ہے۔ سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

(۹) اسلامی نظامِ حکومت اور جمہوریت میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں بندوں کو تولا کرتے ہیں جب کہ جمہوری نظامِ حکومت میں لوگوں کو گنتے ہیں۔ یہ نظامِ فطرت کے خلاف ہے کہ ہر شخص کی رائے کا وزن ایک جیسا ہو۔ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ ہر حکومت میں اور دُنیا کے ہر خطہ میں ہر شخص کا الگ الگ مقام ہے۔ خود پاکستان میں بھی کئی آفیسر ہیں کئی چپڑاسی اور کلرک ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں بھی بہت تفاوت ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں دونوں ایک جیسے انسان ہیں لیکن ان کی اندرونی صفات کے تفاوت کی وجہ سے ان کی رایوں میں بہت فرق ہے۔ صدرِ مملکت یا ملک کا وزیرِ اعظم محکمہ کے سربراہ اور سیکرٹری حضرات سے مشورہ کرتا ہے کبھی چپڑاسی یا کلرک سے مشورہ نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ چپڑاسی یا کلرک کا ذہنی ارتقاء وہ نہیں ہے جو سیکرٹری یا سربراہ محکمہ کا ہے۔ اسی ذہنی پختگی اور ارتقاء کی وجہ سے اُن کی تنخواہوں میں بے حد تفاوت ہے اور یہ فطری قانون کے تحت ہے۔

ضیاء الحق چوہان
ناظم اعلیٰ تحریک طلباء اسلام خان پور

مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کسی انسان کی انفرادی زندگی اور ذاتی اعمال و کردار ہی اس کی اجتماعی سیرت و کردار کی عظمت و شان کے اعتراف کی بنیاد ہوتے ہیں۔ ویسے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی سیرت طیبہ کا عکس جمیل ہیں اور صحابہ کرام کی سیرت ہی اسوۂ حسنہ کو سمجھنے کے لیے روشن مثال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کو امت کے لیے معیارِ حق و صداقت قرار دیا۔ لیکن امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں منفرد و بے مثال اور عبقری شخصیت کے مالک ہیں۔ یہ اعزاز صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا اگر میرے بعد نبوت جاری رہتی تو تاجِ نبوت کسی سر پر سج سکتا تو وہ صرف اور صرف عمر بن خطاب ہیں۔ ایمان کی استقامت، جرأت و بے باکی، صبر و تحمل، محبت و اطاعت رسول، اتباعِ سنت، مخلوق سے محبت، مسلم و غیر مسلم کے لیے بلا امتیاز عدل و انصاف، ظالموں کے لیے قہر اور مظلوموں کے لیے رحم دل، غریبوں، مزدوروں، محنت کشوں اور مفلسوں کا مونس غم خوار، جابروں اور آمروں کے لیے اللہ کی تلوار، یہ ہیں ان کی شخصیت کے نمایاں اور روشن پہلو جو ایک مومن کامل کی پہچان ہوتے ہیں۔ آپ نے مثالی، فلاحی، اسلامی مملکت قائم کر کے دنیا بھر کے تمام نام نہاد فلاحی مملکتوں کے جھوٹے دعوے داروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور نظام خلافت میں انقلابی تبدیلیاں کر کے کفار و مشرکین کو اسلامی صداقت و حقانیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ قول و عمل کے امتزاج اور آپ کی انفرادی زندگی نے اجتماعی معاملات میں بڑے بڑے شیاطین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا!

آپ کی شخصیت ہر متلاشیٔ حق کے لیے ایک روشن ستارہ ہے آپ نے کفر و شرک کے اندھیروں میں توحید و اسلام کی روشنی پھیلائی، ظلمت کدہ جہاں میں حق و ہدایت کی ضیا پاشی کی اور خواب غفلت میں صبح تاباں کا پیغام دیا۔

آج ایسا کون سا حکمران ہے جو رات کو گشت کر کے فاقہ مستوں کا پتہ کرے۔ آج کون سا شہنشاہ ہے جو اپنے کندھوں پر خوراک کا سامان اٹھا کر بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کو کھانا کھلائے۔ کون سا تاجدار ہے جو اپنی بیوی کو دائی بنا کر کسی مسافر عورت کے پاس بھیجے۔ کون سا سلطان ہے جو غلام کو تو اونٹنی پر بٹھائے اور خود پیدل چلے نہیں کوئی نہیں مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو انہوں نے یہ سب کچھ کر کے دکھایا۔

ایک مرتبہ نصف شب خلیفۃ المسلمین حسب معمول گشت کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے۔ جہاں مدینہ کے باہر ایک قافلہ اترا ہوا تھا۔ ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ بچے کی ماں سے فرمایا اسے چپ کرانے کی کوشش کرو۔ امیر المومنین رضؓ آگے گزر گئے۔ واپس مڑے تو بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ ماں سے فرمایا۔ تو بڑی ظالم ہے۔ ماں نے جواب دیا۔ بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ امیر المومنین رضؓ نے حکم دے رکھا ہے۔ کہ بیت المال سے بچوں کو وظیفہ اس وقت تک نہ دیا جائے۔ جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑ دے۔ میں بچے کا دودھ چھڑوا رہی ہوں۔ اور یہ رو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور آہ بھر کر فرمایا۔ اے عمرؓ تیری گرفت پر کتنے بچوں کا خون ہوگا۔ واپس آکر منادی کرا دی کہ بچوں کا وظیفہ ان کی پیدائش کے وقت ہی سے مقرر کر دیا جائے۔ رات کافی بھیگ چکی ہے۔ رعایا محو خواب ہے اور امیر المومنین عمرؓ جاگ رہے ہیں۔ دار الامارت سے اٹھے اور عوام کی خبر گیری کے لیے مدینہ سے دور نکل گئے۔ دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں ایک عورت کچھ پکا رہی ہے۔ اور بچے اس کے پاس رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا بچے کیوں رو رہے ہیں؟ جواب ملا کئی دن سے فاقہ سے ہیں۔ انہیں بہلانے کے لئے جھوٹ موٹ کی ہنڈیا آگ پر رکھی ہے۔ خلیفۃ المسلمین نے سنا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ بیت المال آئے۔ خوراک کا سامان اٹھایا غلام اسلم نے عرض کی۔ آقا بوجھ اٹھانے کے لئے غلام حاضر ہے۔ فرمایا۔ کہ کیا کل قیامت کو بھی میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟ غلام خاموش ہو گیا۔ خوراک کا سامان لے کر اس جھونپڑی میں پہنچے عورت کو سامان دیا۔ وہ کھانا پکانے لگی۔ آپ ایک طرف ہو کر بیٹھے رہے۔ عورت نے کھانا پکایا۔ بچوں کو کھلایا۔ بچے خوش ہو گئے۔ عورت بولی۔ امیر المومنین ہونے کے حق دار تم ہو عمرؓ نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مائی مجھے معاف کرو۔ عمرؓ میں ہوں۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر تنہا مدینہ منورہ سے باہر چلے گئے۔ ایک چھوٹی اور بوسیدہ سی چھولداری میں چراغ جل رہا تھا۔ دروازہ پر ایک نوجوان پریشان و مایوسی کے عالم میں سراپا تصویر غم بن کر بیٹھا آہیں بھر رہا تھا۔ امیر المومنین رضؓ نے پوچھا جوان تم کون ہو؟ جواب ملا مسافر ہوں۔ فرمایا اداس کیوں ہو؟ عرض کی۔ بیوی کے بچہ پیدا ہونے کا وقت ہے۔ مگر دائی کا کوئی انتظام نہیں مسافر اور مفلس ہوں۔ سنا تھا کہ خلیفہ عمرؓ نے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ وہ سب صرف مدینہ والوں کے لیے ہیں۔ اور میں مسافر ہوں! یہ سنا۔ آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا بھائی گھبراؤ نہیں میں ابھی کسی دائی کا بندوبست کر دیتا ہوں گھر آئے۔ اپنی بیوی سے فرمایا بیشک تم امیر المومنین رضؓ کی بیوی ہو مگر فوراً اٹھو اور آج ایک مسافر اور غریب کی جھونپڑی میں دائی بن کر جاؤ۔ تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ جان لیں۔ کہ مسلمانوں کے حکمران اور ان کی بیگمات صرف خوش نما بنگلوں رنگین کوٹھیوں اور کلب گھروں کی زینت نہیں ہوتے۔ بلکہ مفلس کی بیٹی کے ننگے سر کو ڈھانپنا۔ غریب کے بیمار بچے کی عیادت کرنا اور قالینوں اور ریشمی پردوں سے نکل کر کسی مزدور کے گھر دائی بن کر جانا ان کے فرائض میں